مقدمہ فی اصول التفسیر از شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ کا اسلوب اور منہج (تحقیقی جائزہ)

Exploring Methodology of Shaykh-ul-Islām Ibn-e Taymiyyah in Muqaddimah fī Uṣūl al-Tafsīr

ڈاکٹر ثناء اللہ*

عبدالحی**

ABSTRACT

Taqī al-Dīn Aḥmad Ibn-e-Taymiyyah was a great revivalist, jurist and interpreter of Noble Qur'ān of 7th century. This academic work was designed to explore the methodology of Ibn-e-Taymiyyah in Muqaddimah fī Uṣūl al-Tafsīr "مقدمة فی تفسیر القرآن".

Qualitative research methodology was used for the analysis of data. The review of literature revealed that it was his unparalleled academic work on tafsīr which had addressed even minor doubts raised about authentic Hadīth and presented their solution. In addition to that, he had addressed the complications faced in each phase of tafsīr. He had collected the academic pearls in very few pages and made it clear that how the Noble Qur'ān should be understood and interpreted? Many of the exegesis of Qur'ān did not reflect real message of Qur'ān. In this connection, Ibn-e-Taymiyyah disclosed that merely knowing Arabic language was not enough for the tafsīr of Holy Qur'ān. The Qur'ānic interpretation could not be correct until it was compiled in the light of Qur'ān and Hadīth because he was the real interpreter of Holy Qur'ān.

After prophetic age, his companions (Ṣaḥāba), and their followers (Tābi'īn) interpreted the real meanings of Qur'ān. In this context the real message of Qur'ān could only be understood by consulting the interpretation of Holy Prophet (ﷺ), his companions and their followers. He also highlighted the fundamental principles needed for the exegesis of Holy Qur'ān. It was therefore recommended that his work should be included into the curriculum of Islamic studies to make our students aware in order to differentiate between right and wrong interpretations of Holy Qur'ān. Finally it is the dire need of time to revive the tafsīr literature in the light of these principles so that the modern exegesis could by analyzed and corrected to reflect the real message of Qur'ān.

***Keywords**: Methodology, Shaykh-al-Islām, Ibn-e-Taymiyyah, Muqaddimah fī Uṣūl al-Tafsīr.*

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ قرآن وتفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

** لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

مقدمہ فی اصول تفسیر کا تعارف

مقدمہ فی اصول تفسیر شیخ الاسلام کا بڑا اہم، قابل قدر اور شاہکار کہے جانے کے لائق کارنامہ ہے، جو شیخ کی فن تفسیر میں مہارت، وسعتِ نظری اور قوتِ استنباط پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مختصر و بے نظیر رسالے میں بہت عمدہ اور مدلل بحث فرمائی ہے اور خاص طور پر صحیح حدیث میں شک پیدا کرنے والے باریک سے باریک شبہات کو کریدا اور نہایت کامیاب طریقہ سے ان کا حل پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہر طبقہ کے اصحابِ تفسیر کو اصول تفسیر میں جو الجھنیں پیش آتی رہی ہیں، ان کو نہایت عمدگی سے سلجھایا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ بہت بڑا احسان ہے۔ گنتی کے چند صفحات میں معلومات کا خزانہ ہے، اس میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کیا ہے کہ کتاب اللہ کو کس طرح سمجھنا چاہیے، اور کتاب اللہ کی تفسیر کس طرح کرنی چاہیے۔ تفسیریں تو بہت سی ہیں مگر ان تفسیروں نے کتاب اللہ پر پردے ڈال دیئے ہیں۔ کتاب اللہ عقلیات کی کتاب ہے، نہ کیمسٹری اور میڈیکل کی، یہ تو انسانی ہدایت کے لیے آئی ہے اور اس کو ہدایت کا ذریعہ ہی سمجھنا چاہیے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شریعت اور لغت کو جاننے والا ہی تفسیر کر سکتا ہے۔ تفسیر کے لیے محض عربی لغت کا علم کافی نہیں، بہترین تفسیر قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعے ہے، اس کے بعد سنت کے ذریعے کیونکہ تفسیر اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل نہ کی جائے، کیونکہ قرآن کے حقیقی شارح اور مفسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، کوئی دوسرا نہیں۔ اس کے بعد بہترین تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ علمِ الٰہی کو حاصل کیا، اس کے بعد تفسیرِ قرآن کا علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین کی طرف منتقل ہوا۔ پھر تابعین عظام نے اسے اپنے بعد والوں کے لیے ورثہ کے طور پر چھوڑا، یہی قرآن فہمی کے لیے اہم اور ضروری مراتب ہیں۔[1] شیخ الاسلام نے یہ بھولی ہوئی بنیادی حقیقت بڑی خوبی سے یاد دلائی ہے، اور وہ تمام اصول بیان کر دیئے ہیں جو کتاب اللہ کی تفسیر کے لیے ضروری ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالے کے بعض مباحث میں اختصار سے کام لیا ہے جب کہ اپنی دوسری تصانیف میں اس کی تفصیل فرمادی ہے۔

مقدمہ فی اصولِ تفسیر کی اہمیت

اصولِ تفسیر پر اپنی نوعیت کی یہ پہلی اہم تصنیف ہے جس کی مثال تفسیر کے وسیع ذخیرہ میں نہیں ملتی، بعض اہلِ نظر کا خیال ہے کہ اس سے پہلے اصول تفسیر میں ایسی وقیع، مختصر اور جامع تحریر پورے اسلامی لٹریچر میں نہیں ملتی۔[2]

---

(۱) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ترجمہ: عبد الرزاق ملیح آبادی، تحقیق: محمد عطاء اللہ بھوجیانی، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور، طبع ندارد: ۲۰۰۱، ص: ۵۸-۶۹

(۲) ندوی، مولانا ابوالحسن علی، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام، طبع گیارہویں: ۲۰۰۵ء، ۲/۳۱۶

اس کے بعد گو بہت سی اہم اور قابلِ قدر مختصر و مفصل تصنیفات وجود میں آئیں مگر ان میں اسی مقدمہ سے استفادہ کیا گیا ہے، بعد میں آنے والوں میں سے اکثر کی بنیاد یہی رسالہ ہے، حتیٰ کہ امام ابن کثیر، امام قاسمی وغیرہ نے اپنی تفاسیر میں بھی اسی سے استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح علوم القرآن کی کتابوں میں امام بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۴ھ) نے "البرہان"، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) نے "الاتقان" اور امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) نے "الفوز الکبیر" میں اسی کو مدنظر رکھا ہے اور الفوز الکبیر کی بعض مباحث مثلاً شانِ نزول تو اسی سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے۔ اس رسالہ کو اپنے موضوع ہی میں نہیں خود شیخ الاسلام کی تصانیف میں بھی کئی حیثیتوں سے بڑا امتیاز حاصل ہے، ایک خاص بات اس کے اسلوب کا امتیاز بھی ہے۔ شیخ کی دوسری تصانیف کے برخلاف اس میں نہایت مربوط و منضبط طریقہ پر گفتگو کی گئی ہے اور اس کے مباحث میں کوئی انتشار اور کسی طرح کی بے ربطی نہیں پائی جاتی۔ کتب اصول کے طرزِ ادا کے مطابق اس میں بھی اختصار اور بقدر ضرورت کلام پر اکتفا کیا گیا ہے۔ یہ حشو و زوائد سے پاک ہے اور آج بھی اس کی اہمیت ویسے ہی ہے جیسے پہلے تھی، جو اس پر کئے گئے کام کی بدولت معلوم ہوتی ہے کہ اس رسالہ کی بہت سی شروحات لکھی گئی ہیں، ان میں سے بعض نیٹ پر بھی دستیاب ہیں۔ مثلاً

۱- شرح مقدمہ فی اصول التفسیر — ڈاکٹر مساعد بن سلیمان الطیار
۲- شرح مقدمہ فی اصول التفسیر — الشیخ محمد بن عمر بن سالم بازمول
۳- شرح مقدمہ فی اصول التفسیر — الشیخ صالح بن عبد العزیز بن محمد آل الشیخ
۴- شرح مقدمہ فی اصول التفسیر — الشیخ محمد بن صالح العثیمین

اس رسالے کے مختلف اجزاء متفرق طور پر کتابوں میں ملتے تھے لیکن مستقل تالیف کا پتہ نہ چلتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دمشق کے ایک حنبلی عالم استاذ محمد جمیل کو ۷۱۲ھ کا لکھا ہوا ایک مخطوطہ ملا جسے انہوں نے ۱۳۵۵ھ میں شائع کیا۔[1]

مصنف کا تعارف

شیخ الاسلام تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن عبد اللہ بن تیمیہ حرانی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ، سوموار ۱۲ ربیع الاول ۶۶۱ھ میں حران میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے مجدد، مفسر، مجتہد اور فقیہ تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد، چچا اور دادا سب عالم، فاضل اور خطیب تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان قوتِ حافظہ اور قوتِ بیان میں ممتاز و یگانہ تھا۔ چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا، حفظِ قرآن کے بعد حفظِ حدیث کی طرف متوجہ ہوئے، سب سے پہلے امام حمیدی کی "الجمع بین الصحیحین" کو یاد کیا، اس کے بعد کتب ستہ، مسند احمد، سنن دار قطنی وغیرہ کا مختلف شیوخ سے کئی مرتبہ سماع کیا، بعد ازاں لغت کی طرف متوجہ ہوئے اور احکام فقہیہ کی معرفت حاصل کی اور ان کا بڑا حصہ ازبر کر

(۱) طیار، ڈاکٹر مساعد، فصول فی اصول التفسیر، دار ابن جوزی، طبع سوم: ۱۴۲۰ھ، ص: ۱۲

لیا۔ امام صاحب کو ان کی زندگی میں متعدد بار قید میں ڈالا گیا اور آخری مرتبہ قید کے اندر ہی ۲۰ ذوالقعدہ ۷۲۸ھ کو وفات ہوئی۔[(۱)]

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد اور بہت سے جلیل القدر علماء اور مشائخ مثلاً ابن عبد الدائم اور ابن ابی الیسر وغیرہ سے علمی منازل کو طے کیا۔[(۲)] مشہور تلامذہ میں ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ (۶۹۱۔۷۵۱)، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۳۔۷۴۸)، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (۷۰۰۔۷۷۴)وغیرہ شامل ہیں۔[(۳)]

مشہور تصانیف "الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح"، "منهاج السنة النبوية"، "مجموع فتاوى"، "الصارم المسلول على شاتم الرسول" وغیرہ ہیں۔[(۴)]

علم تفسیر میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مقام اور مرتبہ

تفسیر قرآن امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور فکر کا خاص موضوع ہے اور تفسیری ذوق آپ رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں اس قدر رچ بس گیا تھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تصنیف ایسی نہیں جس میں تفسیرِ قرآن کا مواد نہ ملے، آیات سے استدلال اور ان کی توضیح و تفسیر نہ ہو، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب کوئی آیت آتی ہے تو اس کی تفسیر کئے بغیر آگے نہ جاتے۔ فن تفسیر میں خدمات کا اندازہ آپ کے مجموعہ فتاویٰ سے ہوتا ہے، جس کی پوری چارپانچ ضخیم جلدیں (تیرہ تاسترہ) صرف فن تفسیر کے مباحث پر مشتمل ہیں، علاوہ ازیں قرآن مجید کی مختلف سورتوں کے متعدد تفسیری مجموعے تفسیر سورۃ الاخلاص، تفسیر معوذتین اور تفسیر سورۃ نور وغیرہ شائع ہو چکے ہیں۔، تذکرہ نگاروں نے فن تفسیر میں بھی ان کے اختصاص وامتیاز کا ذکر کیا ہے مثلاً امام ذہبی (م۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

> "وَأما التَّفْسِير فَمُسلَّمٌ إِلَيْهِ وَله فِي استحضار الْآيَات من الْقُرْآن وَقت إِقَامَة الدَّلِيل بهَا على الْمَسْأَلَة قُوَّة عَجِيبَة وَإِذا رَآهُ المقرىء تحير فِيهِ ولفرط إمَامَته فِي التَّفْسِير وعظمة اطِّلَاعه يبين خطأ كثير من أَقْوَال الْمُفَسّرين ويُوهِى أقوالا عديدة وينصر قولا وَاحِدًا مُوَافقا لما دلّ عَلَيْهِ الْقُرْآن والْحَدِيث."[(۵)]

---

(۱) ابوزہرہ، محمد، حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ، مترجم: رئیس احمد جعفری، المکتبۃ السلفیہ، طبع دوم: ۱۹۷۱ء، ص:۵۱-۶۶

(۲) ذہبی، محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، طبع اول: ۱۹۹۸ء، ۴/ ۱۹۲

(۳) محمد ابوزہرہ، حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص:۷۶۷-۷۸۴

(۴) ایضاً، ص:۷۴۲-۷۵۷

(۵) مقدسی، محمد بن احمد بن عبد الہادی، العقود الدریۃ من مناقب شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، تحقیق: علی بن محمد العمران، دار عالم الفوائد، مکہ مکرمہ، طبع اول: ۱۴۳۲ء، ص:۳۶

اور تفسیر میں ان کی حیثیت مسلم تھی، انہیں آیات قرآنی سے استدلال میں عجیب قدرت حاصل تھی، جب کوئی قاری اس کو دیکھتا تو حیران ہو تا تفسیر میں اسی امتیاز کی وجہ سے انہوں نے بہت سے مفسرین کی غلطیاں واضح کی ہیں اور بہت سے اقوال کو ضعیف گردانتے ہوئے صرف اس قول کی تائید کرتے ہیں جو قرآن وحدیث کے موافق ہو۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری ذوق کے ساتھ ساتھ ان کا منہج بھی واضح ہو تا ہے۔ تفسیرِ قرآن کے سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک سلف صالحین کی راہ چلنا اور ان کی اتباع تھا، منہاجِ سلف سے ہٹنا انہیں گوارہ نہیں تھا۔

سبب تالیف

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ رسالہ دو وجوہ کی بنا پر لکھا: ایک وجہ تو بعض شاگردوں کی فرمائش ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فَقَدْ سَأَلَنِي بَعْضُ الْإِخْوَانِ أَنْ أَكْتُبَ لَهُ مُقَدِّمَةً تَتَضَمَّنُ قَوَاعِدَ كُلِّيَّةً تُعِينُ عَلَى فَهْمِ الْقُرْآنِ وَمَعْرِفَةِ تَفْسِيرِهِ وَمَعَانِيهِ وَالتَّمْيِيزِ فِي مَنْقُولِ ذَلِكَ وَمَعْقُولِهِ بَيْنَ الْحَقِّ وَأَنْوَاعِ الْأَبَاطِيلِ وَالتَّنْبِيهِ عَلَى الدَّلِيلِ الْفَاصِلِ بَيْنَ الْأَقَاوِيلِ."(۱)

مجھ سے میرے بعض بھائیوں نے درخواست کی کہ میں ایک ایسا مقدمہ لکھ دوں جس میں وہ اصولی اور بنیادی باتیں مذکور ہوں جن سے قرآن مجید سمجھے اور اس کی تفسیر و معانی کو جاننے میں مدد ملے، اور ان سے معقول و منقول کے درمیان تمیز اور حق و باطل کے مابین فرق و امتیاز ہو سکے، نیز مختلف اقوال کے درمیان قول فیصل کا پتہ چل سکے۔

دوسری وجہ یہ بیان کی کہ کتب تفسیر رطب و یابس سے بھری ہوئی ہیں تو ان سے آگاہی انتہائی ضروری ہے:

"فَإِنَّ الْكُتُبَ الْمُصَنَّفَةَ فِي التَّفْسِيرِ مَشْحُونَةٌ بِالْغَثِّ وَالسَّمِينِ وَالْبَاطِلِ الْوَاضِحِ وَالْحَقِّ الْمُبِينِ."(۲)

کیونکہ اب تک تفسیر میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ غلط و صحیح، نیز کھرے اور کھوٹے کا مجموعہ ہیں۔

اس سے معلوم ہو تا ہے کہ اس رسالہ میں صرف وہ ہی قواعد کلیہ بیان کیے گئے ہیں جن کے جاننے سے فہم قرآن میں بڑی مدد ملتی اور حق و باطل (غلط و صحیح) کے درمیان امتیاز کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ اصول امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کسی مفسر نے اس طرح بیان نہیں کئے تھے گویا کہ ان قواعد اور اصول کی طرف سب پہلے انہوں نے مفسرین کی توجہ دلائی ہے۔

---

(۱) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، تحقیق: محمد صبحی بن حسن حلاق، مکتبۃ المعارف، ریاض، طبع اول: ۲۰۱۰، ص:۱۷

(۲) ایضاً، ص:۱۷

مقدمہ فی اصول التفسیر کے مباحث

اس مقدمہ کے اہم موضوعات کو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل پانچ فصول میں تقسیم کیا ہے:

پہلی فصل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا الفاظ کے ساتھ معانی کو بیان کرنا۔

دوسری فصل: سلف کی تفسیر میں اختلاف تنوع اور اختلافِ تضاد۔

تیسری فصل: اختلاف کی دو نوعیتیں: ا۔ نقل کے اعتبار سے ۲۔ استدلال کے اعتبار سے

چوتھی فصل: تفسیر کے سب سے بہترین طریقے۔

پانچویں فصل: تفسیر بالرائے۔

پہلی فصل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا الفاظ کے ساتھ معانی کو بیان کرنا

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس رسالہ میں سب سے نمایاں چیز امام صاحب کا یہ اعتقاد جازم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی مکمل توضیح و تشریح فرمادی ہے، اس کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا اور اس کا ایسا کوئی گوشہ نہیں جو تفصیل کا محتاج ہو، اسی لیے امام صاحب نے اس مقدمہ میں بھی بحث کا آغاز اس بات سے کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرائض منصبی کے لحاظ سے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الفاظ کے ساتھ معانی بھی سکھائے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے سات دلائل دیے جن میں سے چار نقلی اور تین عقلی دلائل ہیں:

ا۔ سب سے پہلی دلیل جو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی وہ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾[1]

(اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے) تاکہ جو ارشادات لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کردو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری لوگوں کو پہچانا اور اسے بیان کرنا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری صرف یہی نہیں تھی کہ جو کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی طرف سے نازل ہو، اسے پڑھ کر لوگوں کو سنادیا کریں یا لکھوادیا کریں یا آپ اسے خود بھی یاد کرلیں اور دوسروں کو بھی یاد کروادیا کریں، بلکہ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید اہم ذمہ داری کا ذکر کیا جارہا ہے کہ جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے اس کا مطلب اور تشریح و توضیح بھی لوگوں کو بتادیا کریں۔ اگر کسی کو کسی بات کی سمجھ نہ آئے تو سمجھادیا کریں۔ اگر وہ کوئی سوال کریں تو انھیں اس کا جواب دیا کریں۔

۲۔ دوسری اہم دلیل یہ ذکر کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تھوڑا تھوڑا سکھایا، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کے علم اور عمل دونوں کو سیکھا جیسا کہ ابو عبدالرحمن سُلمی تابعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

---

(۱) سورۃ النحل: ۴۴

"حَدَّثَنَا الَّذِينَ كَانُوا يُقْرِئُونَنَا الْقُرْآنَ: كَعُثْمَانِ بْنِ عفان وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَغَيْرِهِمَا أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا تَعَلَّمُوا مِنْ النَّبِيِّ ﷺ عَشْرَ آيَاتٍ لَمْ يُجَاوِزُوهَا حَتَّى يَتَعَلَّمُوا مَا فِيهَا مِنْ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ قَالُوا : فَتَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِيعًا"(۱)

جن لوگوں نے ہمیں پڑھایامثلاً عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے کہا: جب ہم نبی کریم ﷺ سے دس آیتوں کی تعلیم حاصل کرتے تو اس وقت تک آگے نہ جاتے جب تک ان آیتوں کا علم اور عمل نہ سیکھ لیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: ہم نے قرآن کا علم وعمل دونوں کو اکٹھے سیکھا۔

اس دلیل سے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تھوڑا تھوڑا سکھایا کرتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھوڑا تھوڑا سیکھتے یعنی قرآن کے الفاظ ہی نہیں بلکہ انہوں نے اس کے معانی کو بھی سمجھا انسان عمل اس وقت کرتا ہے جب اسے سمجھ آجائے، اور بغیر سمجھ کے صحیح ودرست عمل ممکن نہیں ۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک سورت کے حفظ میں کئی سال لگ جایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سورۃ البقرۃ کے حفظ میں آٹھ سال لگائے۔(۲)

۳۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دعویٰ پر تیسری دلیل یہ ذکر کی ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات میں تدبر کا حکم دیا گیا ہے مثلاً:

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ﴾(۳)

یہ کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں۔

اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ نے قرآن اس لیے نازل کیا ہے کہ اس کے معانی میں غور و فکر کیا جائے۔ تدبر کے بغیر محض تلاوت کے لیے نازل نہیں کیا ہے۔ یہ ایسی بابرکت کتاب ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو میں اس کی رہنمائی کرتی ہے اور اس کی پیروی میں انسان کا فائدہ ہی فائدہ ہے اور نقصان کا کوئی احتمال نہیں اور اگر صاحب عقل و دانش اس میں کچھ غور و فکر کریں تو صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں اور اس کتاب کی خیر وبرکت سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان آیات مبارکہ کو سنتے اور پھر قرآن مجید میں غور فکر نہ کرتے۔

---

(۱) شیبانی، احمد بن محمد بن حنبل، مسند، حدیث نمبر: ۲۳۴۸۲، تحقیق: شعیب الأرنوط، عادل مرشد وآخرون، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع اول: ۲۰۰۱ء، ۴۶۶/۳۸

(۲) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول تفسیر، ص: ۱۳

(۳) سورۃ ص: ۲۹

۴۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے دعویٰ کی چوتھی دلیل بھی قرآن مجید سے ہے کہ اللہ تعالی نے اس آیت مبارکہ:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾[۱]

ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم لوگ سمجھ سکو۔

میں جو قاعدہ ذکر کیا ہے کہ کلام عقل میں نہیں آسکتی جب تک کہ اسے سمجھانہ جائے۔ یعنی کلام کا فہم وتدبر اس کے معنی کو شامل ہے۔ قرآن پاک کے پہلے مخاطب چونکہ عرب تھے اس لیے یہ عربی زبان میں نازل ہوا تاکہ وہ سمجھ سکیں۔ "تاکہ تم سمجھو" سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اس کو سمجھنا اور اس کا فہم حاصل کرنا ضروری ہے۔

۵۔ الفاظ کے ساتھ معانی کو بیان کرنے کے دعوی کی پانچویں دلیل عقلی بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

"وَمِنْ الْمَعْلُومِ أَنَّ كُلَّ كَلَامٍ فَالْمَقْصُودُ مِنْهُ فَهْمُ مَعَانِيهِ دُونَ مُجَرَّدِ أَلْفَاظِهِ فَالْقُرْآنُ أَوْلَى بِذَلِكَ"[۲]

ہر گفتگو اس لیے کی جاتی ہے کہ اس کے معنی سمجھے جائیں نہ کہ صرف لفظ سن لیے جائیں اور قرآن کا معاملہ تو بدرجہ اولی فہم وتدبر کا متقاضی ہے۔

انسان کو باقی مخلوقات پر فضیلت کی وجوہات میں سے ایک بولنا بھی ہے، اور انسان کا بولنا بامقصد ہے جو اسے حیوانات سے ممتاز کرتا ہے، اگر یہ گفتگو میں صرف ایسے الفاظ ادا کرے جن کا کوئی معنی نہ ہو تو یہ گفتگو کرنا بے معنی ہوجاتا ہے۔ جب عام گفتگو کا یہ عالم ہے تو قرآن مجید تو کلام الٰہی ہے جس کا بغیر مفہوم اور معانی کے ہونا ناممکنات میں سے ہے۔

۶۔ اس دعوی کی چھٹی دلیل بھی نقلی پیش کی ہے فرماتے ہیں:

"اَلْعَادَةُ تَمْنَعُ أَنْ يَقْرَأَ قَوْمٌ كِتَابًا فِي فَنٍّ مِنْ الْعِلْمِ كَالطِّبِّ وَالْحِسَابِ وَلَا يستشرحوه"[۳]

انسانی عادت وطبیعت اس بات کا انکار کرتی ہے کہ لوگ کسی فن مثلاً طب اور حساب کی کتاب پڑھیں، اور اس کے سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔

انسانی فطرت ہے کہ وہ کوئی بھی مضمون پڑھے لیکن اسے نہ سمجھے تو یہ پڑھنا اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ جب عام کتابوں کا یہ حال ہے تو کتاب اللہ کا فہم کس قدر ضروری ہے، جس میں مسلمانوں کا بچاؤ، نجات، سعادت اور کامیابی ہے اور جس سے ان کے دین ودنیا کی فلاح وابستہ ہے۔

---

(۱) سورۃ یوسف:۲

(۲) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول تفسیر، ص:۱۴

(۳) ایضاً

۷۔ اس دعوی کی ساتویں دلیل تفسیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قلتِ اختلاف ہے:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بعد والوں کی بہ نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف بہت کم ہے، اگر ہے بھی تو ناسخ منسوخ اور بیان کی مختلف وجوہ میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کا مرکز و مصدر ایک ہی تھا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، جنہوں نے ان کے لیے مکمل قرآن مجید کو بیان کر دیا۔

اس بحث سے قرآن مجید کی تفسیر کی وسعت ظاہر ہوتی ہے کہ جو صرف قرآن کے الفاظ کے معانی ہی نہیں بلکہ اسلامی زندگی کی عملی تصویر ہے اور سنت تو تمام کی تمام قرآن کی تفسیر ہے جو اس کے عموم کی تخصیص، مطلق کو مقید اور مراد کو واضح کرتی ہے، اسی لیے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل قرآن مجید کی تفسیر بیان کر دی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی تفسیر کو حاصل کیا اس لیے اس کا حکم مرفوع کا ہے اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کی تفسیر جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تفسیر کو حاصل کیا، خاص طور پر کبار تابعین جیسے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جنہوں نے مفسرِ قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کم از کم تین مرتبہ ایک ایک آیت کی تفسیر حاصل کی، کا رتبہ بھی بہت بلند ہے۔

دوسری فصل: سلف صالحین کی تفسیر میں اختلافِ تنوع اور اختلافِ تضاد

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری اہم بحث "سلف صالحین کے اختلاف کی نوعیت" کو اس مقدمہ میں بیان کیا ہے، ان کے نزدیک تفسیر کا اختلاف، احکام کی بہ نسبت انتہائی کم ہے اور ان کا اکثر اختلاف تنوع کا ہے، تضاد کا نہیں ہے۔[1]

اس اختلاف کی دو اقسام بیان کی ہیں:

پہلی قسم: امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی قسم یہ بیان کی ہے کہ لفظ کے معنی متحد یعنی ایک ہوں لیکن اس کے الفاظ و عبارتیں مختلف ہوں۔

اس کی بہت سی مثالیں دی گئی ہیں:

جیسے سیف، صارم اور مہند تینوں کا مسمی ایک ہی ہے یعنی تلوار لیکن اس کے الفاظ مختلف ہیں۔

یہی معاملہ اللہ سبحانہ وتعالی کے اسماء وصفات کا ہے، اللہ تعالی کے تمام نام وصفات کا مسمٰی ایک ہی ہے، تو اس کے اسماء حسنی میں سے کسی ایک نام سے پکارنا اس کے دوسرے ناموں کی مخالفت اور ضد نہیں ہے۔

---

(۱) اختلاف تنوع اور اختلاف تضاد میں فرق: اختلاف تضاد جس میں دو اقوال کے درمیان جمع ممکن نہ ہو، کیونکہ دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اختلاف تنوع جس میں دو مختلف اقوال کے درمیان جمع ممکن ہو، کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے ایک نوع کو ذکر کیا ہوتا ہے اور نوع جنس میں داخل ہے اور جب جنس ایک ہو تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (عثیمین، محمد بن صالح، شرح مقدمۃ التفسیر لابن تیمیۃ، اعداد و تقدیم: ڈاکٹر عبداللہ بن محمد الطیار، دار الوطن، ریاض، طبع اول: ۱۹۹۵ء، ص: ۲۹)

جیسے اللہ تعالی کا حکم ہے:

﴿قُلِ ادْعُواْ اللهَ أَوِ ادْعُواْ الرَّحْمَنَ أَيًّا مَّا تَدْعُواْ فَلَهُ الأَسْمَاء الْحُسْنَى﴾(۱)

کہ دو کہ تم معبود برحق کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کے نام سے جس نام سے پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں۔

اللہ تعالی کا ہر نام اس کی ذات اور اس کی خاص صفت پر دلالت کرتا ہے جیسے علیم ذات الٰہی پر بھی دلالت کرتا ہے اور صفت علم پر بھی اسی طرح قدیر، رحیم وغیرہ۔ یہی حال نبی کریم ﷺ کے ناموں کا ہے محمد، احمد، ماحی، قاسم، حاشر وغیرہ۔ اسی طرح قرآن کے نام ہیں جیسے قرآن، فرقان، شفاء، ہدی، بیان، کتاب وغیرہ اسی طرح لفظ صراط مستقیم ہے کہ وہ قرآن ہے اور اسلام ہے وغیرہ۔(۲)

اس قسم کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سلف صالحین کا کسی لفظ کی تفسیر کو بیان کرنے کا طریقہ واضح ہو کہ اس میں سے کسی نے معنی کو ظاہر کرنے کے لیے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو دوسرے کے الفاظ سے مختلف ہیں، اور مطلب کے اس حصہ پر دلالت کرتے ہیں جس پر دوسرے کے لفظ دلالت نہیں کرتے مگر دونوں کے الفاظ کا مسمیٰ ایک ہے، یا یہ کہ ہر ایک مفسر نے ایسے وصف کی طرف اشارہ کیا ہے جو دوسرے کے وصف سے الگ ہے۔ یعنی ان کے ہاں اختلاف تضاد کا نہیں ہے بلکہ تنوع کا ہے جس کا مسمی ایک ہے اور صفات مختلف ہیں۔

دوسری قسم: امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری قسم یہ بیان کی ہے کہ عام میں سے کسی ایک نوع کو بطور مثال پیش کیا جائے تا کہ سامع آگاہ ہو، اس کی جامع مانع تعریف کرنا مقصد نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ دی کہ کسی عجمی کو خبز کا معنی سمجھانے کے لیے اگر روٹی کی طرف اشارہ کرے تو اس سے اس کی نوع مراد ہو گی نہ کہ صرف وہی روٹی جو معنی سمجھانے کے لیے دکھائی گئی۔

قرآن مجید سے اس کی مختلف مثالیں دی گئی ہیں ان میں سے ایک درج ذیل ہے:

﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾(۳)

پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا۔ تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔

اس آیت میں ظالم لنفسہ سے واجبات کا ضائع کرنے والا اور محرمات کا ارتکاب کرنے والا اور مقتصد سے واجبات کی پابندی کرنے والا اور منہیات سے بچنے والا اور "سابق بالخیرات" سے مراد واجبات کے ساتھ حسنات میں سبقت کے ذریعہ قرب الٰہی تلاش کرنے والا مراد ہے۔

---

(۱) سورۃ الاسراء:۱۱۰

(۲) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول تفسیر، ص:۱۹-۲۱

(۳) سورۃ فاطر:۳۲

اب کوئی مفسر حسنات وطاعات میں سے کسی ایک نوع کا ذکر کر دیتا ہے مثلاً سابق سے مراد وہ ہے جو اول وقت نماز ادا کرتا ہے اور مقتصد سے جو درمیانے اوقات میں اور ظالم لنفسہ سے جو نماز عصر کو اصفرار شمس تک مؤخر کر دیتا ہے۔[۱]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تفسیر میں کسی ایک نوع کا تذکرہ کرنا، آیت کے عموم میں شامل ہے،اس سے غرض یہ ہے کہ سامع سمجھ جائے اور اس کے تذکرہ سے اس کے اشباہ ونظائر کی طرف اس کا ذہن منتقل ہو جائے۔ کیونکہ کسی چیز کی تعریف سے بات اتنی واضح نہیں ہوتی جتنی مثال سے آسان ہو جاتی ہے اور عقل سلیم مثال سے نوع کو جان لیتی ہے۔

اسباب نزول

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی قسم میں سبب نزول کو بھی شامل کیا ہے۔ سبب نزول کا علم آیت کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے کیونکہ سبب معلوم ہونے سے مسبب بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب سلف صالحین کہتے ہیں کہ یہ آیت فلاں معاملے میں نازل ہوئی ہے تو ان کی ایک غرض یہ ہوتی ہے کہ آیت کا سبب نزول یہ ہے۔ اس بارے میں سلف صالحین سے بہت سی مثالیں ہیں خاص طور پر جب تفسیر میں سبب نزول میں شخص مذکور ہو جیسے آیتِ ظہار اوس بن صامت کے بارے میں، آیتِ لعان عویمر عجلانی اور ہلال بن امیہ، آیتِ کلالہ جابر بن عبد اللہ، اور آیت:

﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ﴾[۲]

اور ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا۔

بَنو قُرَيظہ اور بنو نضیر کے معاملہ میں اور آیت:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾[۳]

اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

انصار کی جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اسی کی مثل وہ ذکر کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ یا اہل کتاب یہود و نصاریٰ یا مؤمنین کے خاص گروہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو ان اقوال سے ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ان آیتوں کے احکام انہی کے ساتھ خاص ہیں اور دوسروں کا ان سے کوئی تعلق نہیں، کوئی عقل مند یہ بات نہیں کر سکتا، بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان آیات کا سبب نزول بیان کیا جائے۔

---

(۱) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول تفسیر، ص:۲۱-۲۲

(۲) سورۃ المائدۃ:۴۹

(۳) سورۃ البقرۃ:۱۹۵

سلف صالحین کا یہ کہنا کہ یہ آیت فلاں معاملے میں نازل ہوئی ہے، کا دوسرا مقصد یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ وہ معاملہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے، اگرچہ وہ معاملہ خود سبب نزول سے نہ بھی ہو۔ سبب نزول کی تعبیر کے لیے دو قسم کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں:

۱۔ ایک وہ الفاظ جو صریح اور واضح ہیں۔ جیسے کوئی واقعہ پیش آیا یا کسی کے سوال کرنے کی وجہ سے یہ آیات نازل ہوئیں۔ جیسے سورۃ المجادلہ کی ابتدائی آیات ظہار کے بارے میں نازل ہوئیں، اسی طرح سورۃ الممتحنہ کی ابتدائی آیات حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔

۲۔ دوسرے جن کے الفاظ غیر صریح اور غیر واضح ہیں۔ جن کے بارے میں محتمل الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہو یا جیسے کہا جائے کہ اس آیت کا نزول اس معنی کو شامل ہے یا یہ معاملہ آیت کے معنی میں داخل ہے۔

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾

ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ سے آیت کی تفسیر کے بارے میں کہا کہ اگر کوئی صفا مروہ کا طواف نہ بھی کرے تو کوئی گناہ نہیں، اگر یہ مطلوب ہوتا تو اللہ تعالی یوں فرماتے اگر اَن لا يطوف بِهِمَا اگر ان کا طواف نہ کرے گا تو گناہ نہیں۔ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ وہ حالت احرام میں منات کا نام پکارتے تھے اور یہ بت قدید کے مقام پر نصب تھا اسی وجہ سے صفا و مروہ کی سعی کو برا سمجھتے تھے۔ جب وہ اسلام لائے تو اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہے۔ (۱)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے معنی پر متنبہ کیا ہے اور خاص طور پر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک آیت کے بارے میں متعدد اقوال ہوں تو پھر اس مشکل کے حل میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے دو احتمالات ذکر کئے ہیں:

۱۔ ایک آیت بہت سے اسباب کے بعد نازل ہوئی ہو، تو بہت سے واقعات اس کے نزول کا سبب بن گئے مثلاً

﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ (۲)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔

اس کا ایک سبب نزول صحیح بخاری میں جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں:

"كَانَتِ اليَهُودُ تَقُولُ:إِذَا جَامَعَهَا مِنْ وَرَائِهَا جَاءَ الوَلَدُ أَحْوَلَ، فَنَزَلَتْ:﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾" (۳)

---

(۱) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ان الصفا والمروۃ، حدیث نمبر:۴۴۹۵، دار السلام، طبع دوم:۱۹۹۹ء

(۲) سورۃ البقرۃ:۲۲۳

(۳) بخاری، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾، حدیث نمبر:۴۵۲۸

یہودی کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس اس کے پیچھے سے آئے تو بچہ بھینگا ہوتا ہے (ان کے اس خیال کی تردید میں) یہ آیت نازل ہوئی۔

اور دوسرا سبب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگے کہ:

«يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْتُ قَالَ:«وَمَا أَهْلَكَكَ»؟قَالَ:حَوَّلْتُ رَحْلِي اللَّيْلَةَ، قَالَ:فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ شَيْئًا،قَالَ:فَأُوحِيَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ هَذِهِ الْآيَةُ:﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ أَقْبِلْ وَأَدْبِرْ، وَاتَّقِ الدُّبُرَ وَالحَيْضَةَ»[1]

اے رسول اللہ! "میں ہلاک ہو گیا" آپ نے پوچھا: تجھے کس چیز نے ہلاک کیا؟ کہنے لگے "میں نے آج اپنی سواری پھیر لی۔" آپ نے کچھ جواب نہ دیا تا آنکہ آپ پر یہ آیت نازل ہوئی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "آگے سے صحبت کرو یا پیچھے سے مگر دبر میں یا حیض کی حالت میں مجامعت نہ کرو۔

تو یہ اختلاف تنوّع کا ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ وہ آیت کے معنی میں داخل ہے، تو ان کے اقوال ایک دوسرے کے قول سے رد نہیں کئے جائیں گے۔

۲۔ دوسرا احتمال یہ بیان کیا کہ ایک آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو، ایک مرتبہ اس سبب کی وجہ سے، دوسری مرتبہ دوسرے سبب کی وجہ سے مثلاً

﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾[2]

عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی اور میں کہتا تھا کہ کونسی جماعت شکست خوردہ ہے اور غزوہ بدر میں نبی کریم ﷺ کو ذرع پہنے ہوئے یہ آیت مبارکہ پڑھتے ہوئے سنا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ بدر کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جب کفار نے کہا تھا﴿نَحْنُ جَمِيعٌ مُنْتَصِرٌ[3]﴾[4]

لیکن یہ احتمال ضعیف ہے جیسا کہ ڈاکٹر مساعد طیار اس مقدمہ کی شرح میں کہتے ہیں:

"وهذا الإحتمال فيه ضعف، فهو لم يرد عن السلف، وإنما هو تخريج عقلي لورود الآثار بأكثر من سبب للآية الواحدة"[5]

---

(۱) ترمذی، محمد بن عیسی، سنن، ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ، باب و من سورة البقرة، حدیث نمبر: ۲۹۸۰، دار السلام، طبع اول: ۱۹۹۹ء، علامہ الالبانی ؒ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

(۲) سورۃ القمر: ۴۵

(۳) سورۃ القمر: ۴۴

(۴) طبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تاویل القرآن، تحقیق: احمد محمد شاکر، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع اول: ۲۰۰۰ء، ۲۲/۶۰۲

(۵) طیار، ڈاکٹر مساعد، شرح مقدمہ فی اصول تفسیر، دار ابن جوزی، طبع دوم: ۱۴۳۸ھ، ص: ۱۰۳

اس احتمال میں ضعف ہے جو سلف سے منقول نہیں ہے یہ تو صرف ایک آیت کے بارے میں ایک سے زیادہ آثار آنے کی وجہ سے عقلی توجیہات ہیں۔

اس کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قسم لفظ ایک سے زائد معانی کی وجہ سے پیدا ہونے والے اختلاف کی دو صورتوں کو ذکر کیا ہے۔

مشترک لفظی

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ایک ہی لفظ کے مختلف معانی ہوں جیسے لفظ عسعس آنے اور جانے دونوں معانی پر بولا جاتا ہے اسی طرح لفظ "قسورۃ" شیر اور تیر انداز دونوں پر بولا جاتا ہے اور اسی طرح لفظ "قرء" بمعنی حیض اور طہر دونوں پر بولا جاتا ہے۔"(۱)

اور اس کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔

ترادف و تضمن

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قسم میں ترادف و تضمن کی بحث کو بھی شامل کیا ہے، ترادف کا لغوی معنی ہے دو لفظوں کا ہم معنی یا قریب المعنی ہونا، لفظاً مختلف ہونا اور معنًی ایک ہونا۔(۲) سلف صالحین نے لفظ کا مطلب قریب المعنی الفاظ میں ادا کیا۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لغت میں مترادف الفاظ بہت ہی کم ہیں اور قرآن میں یا تو معدوم ہیں یا نہایت نادر ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ایک ہی مطلب کے لیے ایسے دو لفظ مشکل سے ملیں گے جو بالکل ہم معنی ہوں۔ البتہ قریب المعنی لفظ ملیں گے اور یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے۔

مثال:

﴿يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا﴾(۳)

جس دن آسمان لرزنے لگے کپکپا کر۔

مور کے معنی حرکت کے ہیں یہ لفظ کے قریبی معنی ہیں کیونکہ مور کے معنی حرکت نہیں بلکہ ہلکی تیز حرکت کو مور کہتے ہیں۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جن کو جمع کرنا نہایت مفید ہے کیونکہ یہ بات مفہوم کو کہیں زیادہ واضح کر دیتی ہے۔

---

(۱) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر:۲۵

(۲) کیرانوی، وحید الزمان قاسمی، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، طبع اول:۲۰۰۱ء، ص:۶۱۵

(۳) سورۃ الطور:۹

تضمن

تضمن کا معنی ہے کسی لفظ کو دوسرے لفظ کی جگہ لا کر اُسی جیسا معاملہ کرنا اس بنا پر کہ یہ لفظ اُس لفظ کے معنی پر مشتمل ہے۔[۱] امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تضمن کے حوالہ سے مفسرین کی غلطی کو واضح کیا ہے کہ عربوں کا دستور اپنی جگہ درست ہے کہ فعل میں معنی فعل شامل کر دیتے ہیں اور دونوں سے یکساں برتاؤ کرتے ہیں لیکن بعض مفسرین نے یہاں غلطی کی اور بعض حروف کو ایک دوسرے کا قائم مقام بنا دیا۔ جیسا کہ انہوں نے مندرجہ ذیل آیات میں کیا ہے۔

﴿قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَى نِعَاجِهِ﴾[۲]

انہوں نے کہا کہ یہ جو تیری دنبی مانگتا ہے کہ اپنی دنبیوں میں ملا لے بیشک تجھ پر ظلم کرتا ہے۔

﴿مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ﴾[۳]

بھلا کون ہیں جو اللہ کی طرف بلانے میں میرے مددگار ہوں۔

اس تفصیل کا یہ مطلب نہیں کہ سلف میں سرے سے کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ ان میں خفیف اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ احکام میں ہم دیکھتے ہیں مگر ضروری احکام تو سب لوگوں کو معلوم ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے جیسے نماز کی رکعات کی تعداد، رمضان کے روزے زکواۃ کا نصاب وغیرہ۔

اسباب اختلاف

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کے آخر میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اول تو کتاب اللہ میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے، دوسرا اگر اختلاف ہے بھی تو سلف میں وہ تھوڑا ہے اور اس اختلاف کا سبب کیا ہے تو اس کی مندرجہ ذیل چند وجوہات ذکر کی ہیں:

"وَالِاخْتِلَافُ قَدْ يَكُونُ لِخَفَاءِ الدَّلِيلِ أَوْ لِذُهُولٍ عَنْهُ وَقَدْ يَكُونُ لِعَدَمِ سَمَاعِهِ
وَقَدْ يَكُونُ لِلْغَلَطِ فِي فَهْمِ النَّصِّ وَقَدْ يَكُونُ لِاعْتِقَادِ مُعَارِضٍ رَاجِحٍ"[۴]

اختلاف کا سبب کبھی دلیل کا پوشیدہ ہونا ہے، کبھی نص کے سمجھنے میں غلطی کا ہونا، اور کبھی عدم سماع، اور بعض مرتبہ راجح معارض کی وجہ سے۔

یعنی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے سلف صالحین میں تفسیر کے اختلاف کی چار وجوہ ذکر کی ہیں۔

---

(۱) وحید الزمان قاسمی، القاموس الوحید، ص:۹۷۷

(۲) سورۃ ص:۲۴

(۳) سورۃ الصف:۱۴

(۴) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص:۲۸

تیسری فصل: تفسیر میں اختلاف کی نوعیتیں

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تیسری فصل میں تفسیر میں اختلاف کی نوعیت کی دو اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ نقل ۲۔ استدلال

۱۔ نقل کے اعتبار سے

قرآن مجید کی تفسیر کے ہم تک پہنچنے کا ایک نہایت اہم اور مستند ذریعہ نقل ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> "منقول سے مراد ہر وہ روایت جو معصوم (پیغمبر ﷺ) یا غیر معصوم (صحابہ، تابعین، تبع تابعین وغیرہ) سے ہم تک پہنچی ہو۔ وہ روایت جس سے بھی ہو اس کی صحت وضعف معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ موجود ہے تو یہ مقبول ہے اور اسی علم کی مسلمانوں کو ضرورت ہے۔"

اور جس روایت کی صحت وضعف معلوم نہ ہو وہ بے فائدہ ہے اس پر گفتگو کرنا عبث ہے۔ جیسے اصحاب کہف کے کتے کا رنگ کیسا تھا، موسیٰ علیہ السلام نے گائے کا کونسا ٹکڑا مقتول کو مارا تھا۔ وغیرہ۔ ان معاملات کا علم نقل کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے، عقل کے ذریعہ نہیں۔

وہ مبہم امور جن کا تعلق علم سے ہے اور وہ نبی کریم ﷺ سے صحیح منقول ہیں تو یہ صحیح تفسیر کا حصہ ہیں اور ان کے درست ہونے میں کوئی شک نہیں، جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کا نام خضر علیہ السلام تھا تو یہ معلوم ہے اور درست ہے۔[1]

علم کا وہ ذریعہ جو نقل سے ہی تعلق رکھتا ہے لیکن اس کے ہم تک پہنچنے میں یا تو کوئی ضعف ہے یا اس کے قبول و مردود ہونے میں اختلاف ہے یا کوئی مردود روایت کو بھی بیان کرتا ہے تو اس حوالے سے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس فصل کو چار اہم مباحث میں تقسیم کیا ہے اور ان پر جامع انداز میں بحث کی ہے۔

۱۔ اسرائیلیات ۲۔ حدیث مرسل ۳۔ خبر واحد ۴۔ موضوعات

ان میں سے اکثر اخبار کا تعلق اسرائیلیات سے ہے اس لیے سب سے پہلے ان کا حکم ذکر کیا ہے۔

اسرائیلیات

وہ روایات جو اہل کتاب سے نقل کی جائیں جیسے کعب الاحبار، وہب بن منبہ اور محمد بن اسحاق وغیرہ نے اہل کتاب سے بہت سی روایات نقل کی ہیں، تو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا کیا حکم بیان کیا ہے

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(۱) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص:۲۹

”اسرائیلیات سے استشہاد کے لیے روایت تو کی جاسکتی ہے مگر اعتقاد کے لیے نہیں اس کی وجہ اسرائیلیات کی تین اقسام ہیں:

۱۔ ایک وہ روایات ہیں جن کی صحت معلوم ہے اوران کی صحت ہماری شریعت میں موجود ہے۔ تو یہ صحیح روایات ہیں جو مقبول ہیں۔

۲۔ دوسری وہ روایات ہیں جن کا جھوٹا ہونا ہماری شریعت کی مخالفت کی وجہ سے معلوم ہے، اس لیے یہ مردود ہیں۔

۳۔ تیسری وہ روایات ہیں جن کے بارے میں خاموشی ہے نہ وہ پہلی قبیل سے ہیں نہ دوسری۔ تو نہ ان کی تصدیق جائز ہے اور نہ تکذیب البتہ ان کو بیان کرسکتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں موجود ہے۔“[۱]

انہوں نے دلیل کے طور پر درج ذیل حدیث پیش کی ہے:

«لا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الكِتَابِ وَلا تُكَذِّبُوهُمْ،وَقُولُوا: ﴿آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا﴾»[۲]

اہل کتاب تم سے جو بیان کریں تو ان کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو ہم اللہ پر اور جو ہم پر اتارا گیا ہے ایمان لائے ہیں۔

تاکہ اگر یہ باطل ہو تو اس کی تصدیق نہ کرو اور اگر حق ہو تو اس کی تکذیب نہ کرو۔

مزید فرماتے ہیں:

”اسرائیلی روایات کی بہت سی امثلہ ذکر کیں، مثلاً اصحاب کہف کے نام کیا تھے؟ ان کے کتے کا رنگ کیسا تھا؟ عصائے موسی کس درخت کا تھا؟ وہ کون سے پرندے تھے جن کو ابراہیم علیہ السلام کے لیے زندہ کیا گیا؟ وغیرہ ایسے بہت سے امور ہیں جن کو اللہ تعالی نے مبہم رکھا ہے اور ان کے علم کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے لیکن اس بارے میں اہل کتاب کا اختلاف نقل کرنا جائز ہے مگر اس بارے میں قرآنی تعلیم یہ ہے کہ جب مختلف فیہ واقعہ کا تذکرہ ہو تو اس جگہ تمام اقوال کا تذکرہ کرکے صحیح قول کی طرف اشارہ کیا جائے تاکہ بحث طول نہ پکڑے اور لوگ بے فائدہ باتوں میں پڑ کر اہم مسائل سے غافل نہ ہو جائیں جیسے سورہ کہف میں اصحاب کہف کی تعداد کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں ایک قول الگ ذکر کرکے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔“[۳]

---

(۱) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص:۶۱

(۲) بخاری، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا﴾، حدیث نمبر:۴۴۸۵

(۳) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص:۶۲،۶۱

حدیث مرسل

حدیث مرسل کی تعریف کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"هو ما سقط من آخر إسناده مَنْ بعد التابعي"(۱)

وہ حدیث ہے جس کی سند کے آخر سے تابعی کے بعد والا راوی گرا ہو (خواہ وہ صحابی ہو یا تابعی)۔

محدثین اور فقہاء کے نزدیک حدیث مرسل کے حکم میں اختلاف ہے۔ جمہور محدثین نے اس کے قبول کرنے میں توقف کیا ہے، مالکیہ اور احناف نے اسے مطلقاً قبول کیا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو قبول کیا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کے اس کی دوسری سند موجود ہو جو پہلی سند کو واضح کرتی ہو۔(۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرسل کا حکم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے قریب ہے، فرماتے ہیں:

"مرسل روایتیں اگر کئی طریقوں سے مروی ہوں اور انہیں گھڑنے کی سازش نہ کی گئی ہو تو قطعاً صحیح ہے۔ جب روایت میں نہ جھوٹ بولا گیا ہو اور بھول چوک بھی نہ ہوئی ہو تو روایت بلاشک صحیح ہوگی۔"(۳)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال کے ذریعہ مرسل کو واضح کیا ہے، فرماتے ہیں:

"یہ تو ممکن ہے کہ دو شاعر ایک ہی شعر کہہ دیں مگر دو شاعر ایک لمبا قصیدہ ایک ہی الفاظ و معانی سے کہہ دیں یہ عادتاً ناممکن ہے۔ اسی مثال پر حدیث کو قیاس کر لیں خاص طور لمبی حدیث جس میں متعدد مضامین ہوں۔ اکثر منقولات کی صحت انہی مختلف طریقوں سے معلوم کی جاتی ہے۔ لیکن منقولات اور دوسرے دقائق کی تحقیق کی یہ راہ نہیں ہے۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خبر مرسل نہ تو مطلقاً قابل قبول ہے نہ مطلقاً مردود بلکہ کچھ شرائط کے ساتھ قابل قبول ہے۔

خبر واحد

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خبر واحد حجت ہے خاص طور پر جب امت کے اہل علم سے اسے تصدیق یا عمل کے ذریعہ تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو یہ علم کو واجب کر دیتی ہے۔ آئمہ اربعہ کے متبعین نے بھی اس

---

(۱) ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، النکت علی نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، تحقیق: علی حسن بن علی، دار ابن الجوزی، طبع دوم: ۱۴۳۲ھ، ص:۱۰۱

(۲) ایضاً

(۳) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص:۴۸

بات کو واضح کر دیا ہے البتہ بعض متاخرین میں سے کچھ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور متکلمین کی راہ کو اپنایا ہے اور اکثر متکلمین مثلاً ابو اسحاق اسفر ائینی اور ابن فورک وغیرہ بھی اس مسئلہ میں اصحاب حدیث وسلف سے متفق ہیں۔[۱]

موضوعات

یہ موضوع نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ بعض مفسرین نے موضوع روایات کو اپنی تفاسیر میں شامل کیا ہے، ضروری تھا کہ ان کی اس غلطی سے آگاہ کیا جائے، امام ابن تیمیہ ؒ نے کتب تفسیر میں موضوعات کے حوالے سے دو قسم کے لوگوں کا تذکرہ کیا ہے:

ایک اہل بدعت اور غالی جیسے روافضہ ہیں جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ اور ان کے آل اور عاشوراء وغیرہ کے فضائل پر احادیث گھڑیں۔ تفسیر میں انہوں نے بڑا گہرا اثر چھوڑا، حتی کہ اہل سنت کی تفاسیر میں یہ روایات داخل ہو گئیں جیسے تفسیر ثعلبی۔

دوسرے بعض اہل زہد جنہوں نے فضائل اعمال میں من گھڑت احادیث بیان کی ہیں۔ امام ابن تیمیہ ؒ نے خاص طور پر تین کتب تفسیر پر تنقید کی ہے جن میں موضوع روایات موجود ہیں، اور وہ تفسیر ثعلبی، تفسیر واحدی اور تفسیر زمخشری ہیں، ان تینوں تفاسیر نے سورتوں کے فضائل میں موضوع روایات ذکر کی ہیں۔[۲]

۲-استدلال

علم کے حصول کا دوسرا اہم ذریعہ استدلال ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ کے نزدیک اس قسم میں لوگوں نے دو جہت سے غلطی کی ہے جو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے بعد کی تفسیروں کی پیداوار ہے۔

ایک جہت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے پہلے سے اپنے کچھ عقائد اور نظریات بنا لیے پھر قرآنی الفاظ کو کھینچ تان کر ان پر منطبق کرنے لگے۔ یہ صرف اپنے ٹھہرائے معنی پر اڑے رہے۔ بعض مرتبہ ان کی غلطی دلیل اور مدلول دونوں میں تھی جیسے معتزلہ اور اباضیہ مثلاً جنہوں نے قیامت کے دن اللہ کی رؤیت کا انکار کیا اور بعض مرتبہ غلطی صرف دلیل میں تھی جیسے صوفیہ کا آیت فلما فصل طالوت کا اپنی طرف سے مفہوم بیان کرنا کہ ﴿إن أول بيت وضع للناس﴾ ظاہری معنی خانہ کعبہ، باطنی معنی رسول اللہ ﷺ مراد ہیں جن پر ایک موحد شخص ہی ایمان لا سکتا ہے[۳]، اس جہت میں اہل بدعت کے درج ذیل فرق خوارج، روافض، جہمیہ، معتزلہ، قدریہ اور مرجئہ شامل ہیں۔ اس جہت میں لکھی گئی تفسیروں میں زمخشری (م۵۳۸ھ) کی الکشاف، ابو جعفر طوسی (م۴۶۰) کی التبیان فی تفسیر القرآن وغیرہ شامل ہیں۔

---

(۱) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص:۴۰،۳۹

(۲) ایضاً:۴۶

(۳) تستری، سہل بن عبد اللہ، حقائق التفسیر، تحقیق: محمد باسل عیون السود، منشورات محمد علی بیضون، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول:۱۴۲۳ھ، ص:۵۰

تفسیر میں غلطی کی اس جہت کا سلسلہ رکا نہیں بلکہ چلتا جارہا ہے عصر حاضر میں بھی ایسی بہت سی تفاسیر سامنے آرہی ہیں، جن میں خواہشات کا دخل زیادہ ہے، آیات کے معانی کی اپنی آراء کی طرف پھیرا جارہا ہے، ان میں سر سید احمد خان کی تفسیر القرآن ہے۔

اور دوسری جہت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے قرآن کی تفسیر محض لغت عرب سے کی اور یہ لحاظ نہیں رکھا کہ قرآن کی کیا مراد ہے اور نبی کریم ﷺ نے کیا مطلب بیان فرمایا اور صحابہ کرام جو اس کے اولین مخاطب تھے انہوں نے کیا مفہوم سمجھا۔ ان کی نگاہ صرف الفاظ پر رہی کہ عرب ان الفاظ کے کیا معنی بتاتے ہیں۔ [۱]

مثال:

﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ [۲]

اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔

اس مثال میں انہوں نے ید کا معنی نعمت کیا ہے کیونکہ لغت میں اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے جبکہ یہ تفسیر درست نہیں بلکہ اہل سنت کے نزدیک ید کے معنی کو اس کے ظاہر پر محمول کریں گے جیسے اللہ سبحانہ وتعالی کی ذات کے لائق ہے بغیر تشبیہ و تمثیل اور بغیر کیفیت اور تعطیل کے۔ [۳]

اس جہت میں لکھی گئی تفسیروں میں تفسیر ماوردی (م ۴۵۰) کی النکت والعیون اور کرمانی (م بعد ۵۰۰) کی تفسیر غرائب التفسیر وعجائب التأویل، شامل ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فائدہ کے لیے ایسی بہت سی تفاسیر کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ان دونوں جہتوں سے پاک ہیں، ان میں تفسیر عبد الرزاق، تفسیر طبری، تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر عبد بن حمید وغیرہ ہیں۔

چوتھی فصل: تفسیر کا بہترین طریقہ

تفسیر کا سب سے بہترین طریقہ کون سا ہے؟ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا جواب اس مکمل فصل میں تفصیل سے دیا ہے۔ اور سب سے پہلے تفسیر بالماثور کا ذکر کیا ہے، یہی وہ جوہری خزانہ ہے جس سے ہر مفسر کو اپنے کام کا آغاز کرنا چاہیے۔ اسی کے ذریعے موجودہ دور کے تفسیری انحرافات سے بچاؤ ممکن ہے اور ان مفاسد سے احتراز ہوتا ہے، جو تاویل مذموم سے پیدا ہوتے ہیں۔

---

(۱) ابن تیمیہ، مقدمۃ فی اصول التفسیر: ۴۸

(۲) سورۃ المائدۃ: ۶۴

(۳) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر: ۴۶

تفسیر القرآن بالقرآن

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تفسیر بالماثور کی چار اقسام ہیں، ان میں سب سے اہم اور اولین قسم ''تفسیر القرآن بالقرآن'' ہے۔ کیونکہ قرآن مجید شریعت اسلامیہ کا مصدر اول ہے اور سب سے بہترین تفسیر قرآن کی تفسیر قرآن سے کرنا ہے، کیونکہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے کی تشریح کرتا ہے، یہی بات برحق ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أَنْ يُفَسَّرَ الْقُرْآنُ بِالْقُرْآنِ، فَمَا أُجْمِلَ فِي مَكَانٍ فَإِنَّهُ قَدْ فُسِّرَ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ وَمَا اُخْتُصِرَ مِنْ مَكَانٍ فَقَدْ بُسِطَ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ."(۱)

قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے، قرآن میں جو مضمون ایک جگہ مجمل ہے دوسری جگہ مفصل ہے، اور جہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے، دوسری جگہ اس کی تفصیل مل جائے گی۔

چنانچہ مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مضمون کی مختلف آیات کو سامنے رکھے تاکہ مضمون کے تمام گوشے نکھر کر سامنے آجائیں۔ لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ قرآن کی ہر آیت کی تفسیر دوسری آیت کرتی ہو۔

اس کی بے شمار امثلہ میں سے ایک مندرجہ ذیل ہے:

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾(۲)

سن رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

اولیاء اللہ کون ہیں؟ اس کی تفسیر بعد والی آیت میں بیان کر دی کہ

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾(۳)

یعنی وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے۔

اسی طرح ایک اور مثال

''عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ تو صحابہ پر بہت گراں گزری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

(۱) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص:۹۵، زرکشی، محمد بن عبد اللہ، البرہان فی علوم القرآن، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، دار احیاء الکتب العربیۃ، طبع اول:۱۹۵۷ء، ۲/ ۱۷۵

(۲) سورۃ یونس:۶۲

(۳) ایضا:۶۳

عرض کیا کہ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے کبھی ظلم نہ کیا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:
أَلَمْ تَسْمَعُوا إِلَى قَوْلِ الْعَبْدِ الصَّالِحِ: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ کیا آپ نے نیک
بندے کا قول نہیں سنا۔ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بیٹا
کبھی شرک نہ کرنا کیونکہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔"[۱]

اس طریقے سے قرآن کی بظاہر باہم متعارض آیات میں مطابقت واضح ہوتی ہے۔ مثلاً تخلیق آدم سے متعلق ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مٹی سے بنایا گیا ہے، دوسری آیت بتاتی ہے کہ گارے سے پیدا کیا ہے لیکن جب تمام آیات کو پیش نظر رکھا جائے۔ تو تضاد کے بجائے واضح ہوتا ہے کہ یہ مختلف مراحل پر مشتمل ایک سلسلے عمل کو بیان کیا گیا ہے۔

اس اصول کے بنیاد پر بہت سے ایسے اشکالات کا ازالہ ہوتا ہے جو صرف ایک آیت پر نظر کرنے سے پیدا ہو سکتے ہیں۔

تفسیر القرآن بالسنۃ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تفسیر کا دوسرا اہم طریقہ تفسیر بالسنۃ ہے۔ یعنی اگر قرآن کی تفسیر قرآن میں موجود نہ ہو تو پھر حدیث کے طرف رجوع کیا جائے کیونکہ یہ قرآن کی شرح و تفسیر ہے۔[۲]

اس حوالے سے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث سے متعدد دلائل پیش کئے ہیں۔ ان میں سے ایک دلیل قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾[۳]

اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو ارشادات لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو۔

اس آیت میں تفسیر قرآن نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ جو کچھ آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے اس کا مطلب اور تشریح و توضیح بھی لوگوں کو بتادیں۔ اگر کسی کو کسی بات کی سمجھ نہ آئے تو سمجھا دیں۔ اگر وہ کوئی سوال کریں تو انھیں اس کا جواب دیا کریں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنے قول و فعل کے ذریعے قرآن کی تشریح کی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ نے جو بھی حکم دیا ہے، وہ قرآن سے ہی ماخوذ ہے۔"[۴]

---

(۱) بخاری، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ لقمان، باب ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾، حدیث نمبر: ۴۷۷۶

(۲) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص: ۹۶

(۳) سورۃ النحل: ۴۴

(۴) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر: ۹۶

حدیث قرآن کی شرح ہے، یہ قرآن کے مجمل کا بیان کرتا ہے اور اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مراد تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ حدیث میں جو بات کی گئی ہے اس کی بنیاد کسی نہ کسی طرح قرآن میں موجود ہوتی ہے۔[۱]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«أَلَا إِنِّي أُوتِيت الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ»[۲]

یاد رکھو مجھے قرآن کے ساتھ اسی کی مثل دی گئی ہے۔

اسی طرح حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہے، اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بکثرت دلائل پیش کئے ہیں۔

قرآنی اجمال کے بیان کی ایک مثال درج ذیل آیت ہے:

﴿ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ﴾[۳]

جن لوگوں نے نیکوکاری کی ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید اور بھی۔

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿وَزِيَادَةٌ﴾ کی تفسیر دیدار الٰہی سے کی ہے کہ جنت میں جنتیوں کو سب سے بڑی نعمت جو ملے گی وہ اپنے رب کا دیدار ہو گا۔[۴]

چنانچہ قرآن کی تفسیر میں صحیح حدیث ہی بہترین تفسیر ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے شارح اور صادق و مصدوق ہیں، اور اس سے بہتر کوئی تفسیر نہیں ہو سکتی۔

تفسیر باقوال الصحابۃ

تفسیر کا تیسرا اہم ذریعہ اقوال صحابہ کرام ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس فصل میں صحابہ کی تفسیر کے متعلق بعض مسائل کو بیان کیا ہے، اجمالی طور پر اس کو تین مباحث میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ تفسیرِ صحابہ کی طرف رجوع کا سبب

۲۔ مشہور مفسّرین صحابہ کرام

۳۔ تفسیرِ صحابہ میں اسرائیلیات

---

(۱) زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ۲/۱۳۹

(۲) احمد بن حنبل، مسند، حدیث نمبر: ۱۷۱۷۴

(۳) سورۃ یونس: ۲۶

(۴) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربھم سبحانہ وتعالی، حدیث نمبر: ۴۵۰، دار السلام، طبع اول: ۱۹۹۸ء

تفسیرِ صحابہ کی طرف رجوع کا سبب

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر قرآن وسنت میں قرآن کی تفسیر نہ ملے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قدر و منزلت کی بنا پر اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام کی تفسیر کی طرف رجوع کے بعض اسباب کا تذکرہ کیا ہے فرماتے ہیں:

"وَحِينَئِذٍ إِذَا لَمْ نَجِدْ التَّفْسِيرَ فِي الْقُرْآنِ وَلَا فِي السُّنَّةِ رَجَعْنَا فِي ذَلِكَ إِلَى أَقْوَالِ الصَّحَابَةِ فَإِنَّهُمْ أَدْرَى بِذَلِكَ لِمَا شَاهَدُوهُ مِنْ الْقُرْآنِ وَالْأَحْوَالِ الَّتِي اخْتَصُّوا بِهَا; وَلِمَا لَهُمْ مِنْ الْفَهْمِ التَّامِّ وَالْعِلْمِ الصَّحِيحِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ."(۱)

اور اس وقت جب تفسیر قرآن وسنت میں نہ ملے تو پھر اقوال صحابہ کے طرف رجوع کیا جائے گا۔ کیونکہ جب "نزول قرآن" کے قرائن واحوال کا مشاہدہ ان تک مخصوص تھا، اور وہ فہم تام، علم صحیح اور عمل صالح کے حامل تھے، چنانچہ ان کو تفسیر کا بہتر ادراک تھا۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو اسباب بیان کئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

مشاہدہ نزول

یہ ایسا خاصہ ہے جو ان کے علاوہ کسی اور کے لیے ممکن نہیں۔ جس چیز کا ادراک انہوں نے کیا، غائب اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ واقعات اور حوادثات کا وقوع اور اس پر کتاب وسنت کی وحی کا نزول، قرائن حالیہ نے ان کے فہم کو مزید بڑھا دیا، اس کے ساتھ انہیں اسباب نزول سے واقفیت تھی۔

احوال خاصہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نزول وحی کے عینی گواہ اور ماحول سے واقف تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے ساتھ، ان کے احوال و معاشرت سے آگاہ تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ علم و عمل کو حاصل کیا، اہل زباں ہونے کے ساتھ عادات عرب سے آگاہ، علم میں گہرائی، زبردست قوت ادراک کے مالک اور حب رسول کے جذبے سے سرشار تھے۔ ان کے دل نور نبوت سے روشن تھے، چنانچہ امت کے تمام طبقات میں صحابہ کا فہم قرآن زیادہ تھا۔ مزید برآں وہ شعوری طور پر فہم قرآن کو اہمیت دیتے تھے۔

اس حوالے سے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقول کی اہمیت اور ان کی ترجیح کے بارے میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں ان میں سے ایک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے، فرماتے ہیں:

"كان الرجل منا اذا تعلم عشر آيات لم يجاوزهن حتى يعرف معانيها والعمل بهن"(۲)

---

(۱) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر: ۳۰

(۲) طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۸۱، ۱/ ۸۰، شیخ شعیب الأرنووط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیں: مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۳۴۸۲، ۳۸/ ۴۶۶

ہم میں ایک شخص جب دس آیات سیکھ لیتا تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتا جب تک ان آیات کے معانی اور عملی احکام کی معرفت حاصل نہ کر لیتا۔

لہٰذا تفسیر میں قرآن وسنت کے بعد سب سے زیادہ اہمیت اقوال صحابہ کی ہے بلکہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ صحابی جس نے وحی کا مشاہدہ کیا ہے، کی تفسیر کو حدیث نبوی کی حیثیت حاصل ہے۔(۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر کی مثال:

﴿أَوْ لامَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾(۲)

یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو۔

کی تفسیر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جماع سے کی ہے۔(۳)

مشہور مفسّرین صحابہ کرام

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشہور مفسرین میں سے خلفاء اربعہ اور اکابر صحابہ میں سے خاص طور پر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور اصاغر صحابہ میں سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا ہے۔(۴)

تفسیرِ صحابہ میں اسرائیلیات

تفسیرِ صحابہ میں بھی اسرائیلیات کا وجود ہے، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحابی نے صرف صحیح روایت کو ہی بیان کیا ہے اور تابعین کے مقابلہ میں صحابی کی روایت زیادہ قابل اطمینان ہے۔ سدی کبیر نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اہل کتاب سے بعض اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو جنگ یرموک میں اہل کتاب کی کتابوں کے دو بوجھ اونٹوں کے لدے ہوئے ملے۔ وہ مندرجہ ذیل حدیث میں اجازت کی وجہ سے ان کتابوں سے روایت کرتے تھے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، قَالَ: «بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلاَ حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»(۵)

---

(۱) حاکم نیسابوری، محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول: ۱۹۹۰ء، ۲/۲۸۳، ۳۰۲۱، سیوطی، جلال الدین، عبد الرحمن بن ابو بکر، الاتقان فی علوم القرآن، تحقیق: احمد بن علی، دار الحدیث، قاہرہ، ۲۰۰۶ء، ۴/۴۵۵

(۲) سورۃ النساء: ۴۳

(۳) طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۹۵۸۲، ۸/۳۸۹

(۴) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص: ۶۰، ۵۹

(۵) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، حدیث نمبر: ۳۴۶۱

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری طرف سے پہنچادو اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، اور بنی اسرائیل سے بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں، جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا، اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

تفسیر باقوال التابعین

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کا چوتھا اہم ذریعہ تابعین کے تفسیری اقوال ذکر کیا ہے کیونکہ روئے زمین پر صحابہ کرام کے بعد سب سے بہترین لوگ تابعین عظام ہیں۔ بہت سے آئمہ نے ان کی تفسیر کی طرف رجوع کیا ہے اس لیے کہ وہ صحابہ سے فیض یافتہ، زمانہ نزولِ قرآن سے قریب تر اور لغت عربی کے ماہر تھے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تابعین کسی قول پر جمع ہو جائیں تو اس قول کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر وہ اختلاف کریں تو ان کا قول ایک دوسرے کے خلاف یا بعد والوں کے لیے حجت نہیں ہے، جیسا کہ انہوں نے دلیل کے طور شعبہ بن حجاج کا قول پیش کیا ہے:

" أَقْوَالُ التَّابِعِينَ فِي الْفُرُوعِ لَيْسَتْ حُجَّةً فَكَيْفَ تَكُونُ حُجَّةً فِي التَّفْسِيرِ؟ يَعْنِي أَنَّهَا لَا تَكُونُ حُجَّةً عَلَى غَيْرِهِمْ مِمَّنْ خَالَفَهُمْ."[1]

اقوال تابعین فروعی احکام میں حجت نہیں تو تفسیر میں کیسے حجت ہو سکتے ہیں یعنی ان میں سے جو اختلاف کرلے اس کے خلاف حجت نہیں ہو سکتے۔

اس قول کی توضیح یہی ہے کہ اقوال تابعین اختلاف کی صورت میں حجت نہیں ہیں لیکن جب ان میں اتفاق ہو تو پھر حجت ہونگے۔

تابعین کی تفسیر کی مثال

﴿كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ﴾[2] اور سب اس کے فرمانبردار ہیں۔

عَنْ مُجَاهِدٍ: أَيْ: "كُلٌّ لَهُ مُطِيعُونَ، فَطَاعَةُ الْكَافِرِ فِي سُجُودِ ظِلِّهِ"[3]

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کافر خود تو اب نافرمان ہے لیکن اس کا سایہ تک رب کے سامنے جھکا ہوا ہے۔

---

(۱) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص:۳۵

(۲) سورۃ البقرۃ:۱۱۶

(۳) مخزومی، مجاہد بن جبر مکی قرشی، تفسیر مجاہد، تحقیق: ڈاکٹر محمد عبد السلام، دار الفکر الاسلامی الحدیثۃ، مصر، طبع اول:۱۹۸۹ء، ص:۲۱۲

پانچویں فصل: تفسیر بالرائے

تفسیر میں ضروری ہے کہ دلیل کے بنیاد پر بات کی جائے، اگر صرف خواہش، ذاتی مفاد، گروہی مقاصد اور فرقے کی حمایت میں، بغیر دلیل کے تفسیر کی جانے لگے تو امت تفرقہ کا شکار ہو گی۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کے بہترین طریقے ذکر کرنے کے بعد تفسیر سے متعلق مندرجہ ذیل بعض احکام ذکر کئے ہیں:

۱۔ تفسیر بالرائے کا حکم

۲۔ تفسیر بالرائے سے متعلق احادیث

۳۔ سلف صالحین کا تفسیر بالرائے سے گریز کرنا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محض رائے سے من گھڑت تفسیر کرنا جس کی بنیاد کوئی صحیح علمی دلیل اور معتبر علمی اسلوب نہ ہو، تفسیر بالرائے مذموم ہے اور حرام ہے۔ اور اس حوالے سے متعدد احادیث نبویہ کا تذکرہ کیا ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنْ النَّارِ»[۱]

جس شخص نے قرآن میں بغیر علم کے گفتگو کی اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

جو شخص محض اپنی رائے وخیال سے تفسیر کرے وہ اپنے ذمہ ایسی ذمہ داری لے رہا ہے جس کا اسے کوئی علم نہیں۔ اب اگر وہ کوئی تفسیر صحیح بھی کرلیتا ہے، تو پھر بھی غلطی پر ہے، کیونکہ وہ سرے سے ہی غلط راہ چلا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ»[۲]

جو کوئی اپنی رائے سے قرآن میں کچھ کہے اور اس کا کہنا صحیح ہو تو بھی اس نے غلطی کی۔

ممانعت کی انہی احادیث کی بنا پر بعض اہل علم نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس بارے میں سخت تھے کہ کوئی شخص بغیر علم کے تفسیر کرنے بیٹھ جائے۔ جیسا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"أَيُّ أَرْضٍ تُقِلُّنِي وَأَيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِي إِذَا قُلْت فِي كِتَابِ اللَّهِ مَا لَمْ أَعْلَمْ؟"[۳]

---

(۱) سنن ترمذی، ابواب التفسیر، باب فی الذی یفسر القرآن برایہ، حدیث نمبر: ۲۹۵۰، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن جبکہ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف اور شیخ شعیب الأرنووط نے عبد الأعلی الثعلبی کے ضعف کی بنا پر اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

(۲) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۹۵۲، علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف اور شیخ شعیب الأرنووط نے سھیل بن مہران کے ضعف کی بنا پر اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

(۳) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص: ۲۶

کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اگر کتاب اللہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بعض سلف جیسے سعید بن المسیب، عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ تفسیر میں محتاط رہتے تھے اور اس کو ایک خطرناک عمل سمجھتے تھے کہ مبادا کہیں مراد الٰہی کے خلاف تفسیر نہ کر بیٹھیں یا یہ کہ لوگ ان کے دیکھا دیکھی یہ راستہ اختیار نہ کر لیں۔

مجاہد اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے جو تفسیریں کی ہیں ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے بغیر علم کے یا محض اپنی رائے سے تفسیر کر دی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ تو تفسیر میں اللہ کی نشانی تھے انہوں نے تین مرتبہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید کو شروع سے آخر تک پڑھا، ہر آیت پر ٹھہرتے اور اس کی تفسیر پوچھتے۔ (۱)

تفسیر کی مقررہ بنیادوں سے استدلال کے بغیر، دل میں آئی بات اور خیالات سے تفسیر کرنے والا غلطیوں کا شکار ہو گا۔ چنانچہ احتیاط ضروری ہے۔ اگر ہر باطل پرست کو یہ موقعہ دیا جائے کہ وہ خواہش کے مطابق تفسیر کرے، تو پھر تفسیر و تحریف میں امتیاز باقی نہ رہے گا اور قرآن کی "فارق بین الحق والباطل" کی حیثیت ختم ہو جائے گی۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد آثار کو ذکر کیا ہے کہ سلف صالحین بغیر علم کے تفسیر میں دخل نہیں دیتے تھے، لیکن جس شخص کو شریعت اور لغت کا علم ہو اس کے لیے تفسیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلف سے تفسیریں بھی روایت کی گئی ہیں۔ وہ بولتے تھے جب جانتے تھے اور جس کا علم نہیں ہوتا تھا اس پر سکوت کرتے تھے اور یہی سب پر واجب ہے۔

سفارشات

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ امت اسلامیہ کے لیے ایک بہت بڑا احسان ہے۔ جس میں علوم کے خزانوں کو جمع کر دیا ہے اور امت کو بتایا کہ کتاب اللہ کو کس طرح سمجھنا چاہیئے اور کتاب اللہ کی تفسیر کس طرح کرنی چاہیئے۔

ہم نے کتاب اللہ کو ہدایت نامہ سمجھنے کی بجائے اسے بحث و جدل، علمی ورزش اور اظہارِ قابلیت کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ تفسیروں کے انبار لگ گئے لیکن ان تفسیروں نے کتاب اللہ پر پردے ڈال دیئے۔ شیخ الاسلام نے یہ بھولی ہوئی بنیادی حقیقت بڑی خوبی سے یاد دلائی ہے اور ان اصولوں کو بیان کیا ہے جو کتاب اللہ کی تفسیر کے لیے ضروری ہیں۔

اصول تفسیر پر یہ مختصر اور جامع رسالہ نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو نصاب میں شامل کرنا چاہیے تاکہ صحیح اور غلط تفاسیر میں امتیاز ہو سکے، نیز بغیر علم کے قرآن کی تفسیر نہ کی جائے۔ طلباء میں صحیح تفسیر کا شعور پیدا ہو کیونکہ مصنف نے جہاں جہاں متکلمین اور بدعتی فرقوں نے ٹھوکریں کھائیں، ان مقامات کی

---

(۱) ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص: ۶۴

نشاندہی کی ہے اور ان کے علمی و عقلی مغالطوں کے پردے چاک کئے ہیں۔ اس کے علاوہ اصحاب تفسیر کو اصول تفسیر میں جو الجھنیں پیش آتی رہی ہیں ان کو نہایت عمدگی سے سلجھایا ہے۔

ان اصولوں کی روشنی میں آج کل کی جدید تفاسیر کو جانچنے کی ضرورت ہے کیونکہ بعض جدت پسند مفسرین تفسیر ممدوح کی حد پار کر کے تفسیر مذموم کا شکار ہو گئے ہیں اور یہ اصول ان کے لیے مینارہ نور ثابت ہونگے۔

خلاصہ یہ کہ ان اصولوں کی افادیت جیسے ماضی میں تھی ویسے ہی حال اور مستقبل میں بھی ہے۔